ڈاکٹر سائرہ ارشاد
لیکچرار، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاولپور

سدرہ ناز
ایم ایس ریسرچ سکالر

Dr. Saira Irshad
Lecturer, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur

Sidra Naz
MS Research Scholar

میر ظفر زیدی کے شعری آفاق

Mir Zafar zaidi's Poetic horizons

Abstract: Poetry is an important genre of Urdu literature. The beautiful expression of emotions and feelings is the beauty of poetry. Mir Zafar Zaidi is considered as one of the prominent writers of Bahawalpur region. He used his pen in a unique way and expressed his feelings not only in a poetic way but also in various topics in poetry. Apart from following beauty and love, these topics also reveal the bitter realities of the times. Mir Zafar Zaidi's speech is innovative and refreshing. That is why he emerged on the scene of Urdu literature as a prolific poet. Mir Zafar Zaidi rose like a shining star on the horizon of poetry and celebrated his unique status.

Keywords: Rhetoric, innovation, lyricism, coherence and continuity, aesthetics, Tautology

اردو شاعری کا آغاز غزل سے ہوا اور ابتداء سے ہی غزل نے پسندیدہ صنف سخن کا درجہ حاصل کر لیا۔ غزل کے بعد نظم نے بھی خود کو بھرپور انداز میں منوایا۔ دورِ جدید کے شعرا میں ایک اہم نام میر ظفر زیدی کا ہے۔ انھوں نے نظم و نثر دونوں اصناف میں خود کو منوایا۔ ان کی شاعری جدید دور کے رجحانات و میلانات اور روحِ عصر سے مطابقت رکھتی ہے۔

خطۂ بہاول پور اُردو ادب کے حوالے سے منفرد تشخص کا حامل ہے۔ یہاں کی علمی و ادبی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ یہ خطہ برصغیر کے علمی، تدریسی اور تمدنی مرکز کی حیثیت سے الگ پہچان اور تشخص رکھتا ہے۔ اوچ شریف، پتن منارا، بدھ، سوئی وہار اور گنویری والا انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جب کہ تاریخی عمارات اور دریا یہاں کی عظمت کے امین ہیں۔

> ”یہ ریاست شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف طول میں عرض سے بہت زیادہ ہے۔ اس کی شکل مچھلی سے ملتی جلتی ہے۔ اس کی شمالی حد پر دریا اور جنوبی حصے میں ریگستان ہے۔“ (۱)

میر ظفر زیدی ۱۱ جنوری ۱۹۳۹ء میں انڈیا کے قصبہ ”اجراور“ تحصیل راج پورہ ضلع پٹیالہ سابق ریاست حال مشرقی پنجاب سابق صوبہ سرہند میں پیدا ہوئے۔ جب کہ مستقل سکونت ریاست بہاول پور میں اختیار کی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم پرائمری سکول نزد فرید گیٹ (سابق بیکانیری گیٹ) سے حاصل کی۔ گورنمنٹ صادق ڈین ہائی سکول سے میٹرک اور گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج بہاول پور سے ۱۹۶۴ء میں بی ایس سی کی ڈگری مکمل کی۔

عربی، فارسی اور طب سے خاندانی تعلق تھا اس لیے والد کی خواہش کے پیشِ نظر ۱۹۶۸ء میں لاہور جا کر ''بورڈ آف یونانی اینڈ ویدک سسٹم آف میڈیسن پاکستان'' سے فرسٹ ڈویژن میں طب کی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اسے کبھی ذریعۂ معاش نہیں بنایا۔ میر ظفر زیدی کے زمانۂ طالب علمی سے ہی مختلف اخبارات و جرائد میں ان کے مضامین اور افسانے چھپتے رہے۔ ابتداء میں انھوں نے مولانا عبدالمجید سالک بٹالوی (مدیر ''انقلاب'' لاہور) سے اصلاح لی لیکن جلد ہی نازش حیدری دہلوی کی باقاعدہ شاگردی اختیار کی اور ان سے بذریعہ ڈاک بھی اصلاح لیتے رہے۔

''شاعری جذبات کی دل آویز موسیقی ہے۔ احساسات کی حسین مصوری ہے۔ تخیل کا ایک دلفریب رقص ہے۔ وہ جنت نگاہ بھی ہے اور فردوس گوش بھی۔ اس کا اثر دل ودماغ دونوں پر ہوتا ہے۔ وہ حواس کے تاروں کو چھیڑتی ہے اور روح پہ خوشی بن کر چھا جاتی ہے۔'' (۲)

میر ظفر زیدی کی غزلیں ۱۹۵۷ء میں قومی اخبارات اور رسائل میں شائع ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ شاعری کا دوسرا دور ۱۹۹۵ء میں شروع ہوا جو ۲۰۰۴ء تک کے عرصے پر محیط ہے اور تابش الوری صاحب سے اصلاح شدہ ہے۔ انھوں نے فارغ التحصیل ہوتے ہی متعدد کتابیں لکھیں۔ ادب، تاریخ، مذہب، تصوف، فلسفہ اور عمرانیات کے علاوہ افسانے، ڈرامے، انشایئے، خاکے، مضامین اور مکالمہ نگاری پر بھی طبع آزمائی کی۔ میر ظفر زیدی ۲۱ نومبر ۲۰۱۳ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

شاعری اُردو ادب کی اہم صنف شمار ہوتی ہے۔ جذبات و احساسات کا خوب صورتی سے اظہار شاعری کا حسن ہے اور اُردو شاعری کا حسن علمِ بیان پر منحصر ہے۔:

"دل میں جذباتِ عشق کی جب بہتات ہوتی ہے تب وہ جذبات اُچھل اُچھل کر دیوارِ دل عبور کر کے باہر نکلنے کو مچلتے ہیں اور دل کے وہ بیتاب جذبات الفاظ کا لبادہ پہن کر مہذب انداز میں ایوانِ دل میں سے باہر تشریف لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کو شاعری کہتے ہیں۔" (۳)

نظم میں شاعر خیالات کا ربط و تسلسل کے ساتھ اظہار کرتا ہے نیز بے ترتیب خیالات کو ربط و تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کے لیے بحر کی کسی بھی قسم کو اختیار کر سکتا ہے۔:

" نظم فرد کی شخصیت کا اظہار ہے اور جبلت کی تندی اور لاشعور کی گہرائی سے براہِ راست متعلق ہے۔" (۴)

میر ظفر زیدی کا شعری مجموعہ ''آنچلوں کے سائے میں'' کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ اس کے پہلے حصے میں آپ بیتی شامل ہے جبکہ دوسرا حصہ شاعری پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اس حصے کا آغاز ''حمد وثناء'' سے کیا ہے۔:

پارسائی کھڑی ہے حیرت میں
رِند کو خُلد کی عطا تُو نے (۵)

میر ظفر زیدی کی نعت میں دُعائیہ انداز بکثرت پایا جاتا ہے۔ نعت کے پہلے شعر ہی میں انھوں نے رنج و غم سے نجات کی دعا مانگی ہے۔ وہ سادگی سے لفظوں کا انتخاب کر کے ان میں ربط و تسلسل پیدا کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں دکھ درد کی کیفیت پائی جاتی ہے اور وہ اس کیفیت سے چھٹکارا بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں:

زمانہ کرے اب نہ مجھ پر ستم
نہ ہو مجھ پہ بیداد یا مصطفیٰؐ (۶)

میر ظفر زیدی نے کئی تاریخی نظمیں لکھیں۔''قصہ قصبہ اجراور کا''،''باغ بریلی کے بکھرے پتے''،''سابق ریاست پٹیالہ میں مسلم حاکم شاہی''،''عہدِ مغلیہ تک مشرقی (بھارتی) پنجاب''،''متحدہ پنجاب''،''سابق صوبہ سرہند''،''سابق ریاست الور آئینہ تاریخ میں''ان نظموں میں تاریخی عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔''اُردو زبان اور خطہ لاہور وملتان''ان کی اہم نظم ہے جو اُردو زبان کی تاریخی حیثیت کے حوالے سے اہم مقام رکھتی ہے۔ نظم کا آغاز انھوں نے خوب صورت اشعار سے کیا ہے جسے پڑھ کر شگفتگی کا احساس ہوتا ہے اور اس نظم میں میر ظفر زیدی نے تمثیلی انداز اپنایا ہے۔:

اس دھرتی کی جنی ہوئی ہوں
یہیں پلی اور بڑی ہوئی ہوں
ہر مَن میں بسی ہوئی ہوں
لہو میں رَچی ہوئی ہوں
پاؤں پہ اپنے کھڑی ہوئی ہوں
پریم کہانی پڑھی ہوئی ہوں (۷)

''لاہور کی عظمت''میں اس شہر کی خوب صورتی کے علاوہ اُردو کا اہم مرکز ہونے کی بناء پر شان و عظمت کا اظہار شامل ہے۔ میر ظفر زیدی لاہور شہر کی خوب صورتی کو نمایاں کرتے ہیں۔ وہ اس شہر کے سرسبز باغ اور تاریخی عمارتوں کو حسن قرار دیتے ہیں جب کہ ان کے نزدیک شہر کے لوگ سب سے بڑی خوب صورتی ہیں کیونکہ یہاں کے لوگ عشق کے جذبے سے لبریز ہوتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں، اختر شیرانی، علامہ اقبال، غازی علم الدین شہید اور رستم زماں گاماں پہلوان جیسی عظیم شخصیات اسی شہر سے منسلک ہیں۔ لاہور کی خوب صورتی کو شاعر نے جنت قرار دیا ہے۔:

کچھ جھلک اپنی بہاروں کی مجھے دے دینا
آتا ہے خلد سے پیغام بنامِ لاہور (۸)

تہذیب و ثقافت کی بھرپور عکاسی بھی میر ظفر زیدی کی شاعری کا موضوع ہے۔ ہرے بھرے کھیت، پیپل اور آم کے درخت خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ صبح، دوپہر اور شام کو اس حسین موسم کے نظارے جنت کا منظر پیش کرتے ہیں۔ کچی اینٹوں اور گارے سے بنے مکانات کی اپنی ہی رونق ہوتی ہے۔ بارش جب برستی ہے تو سرسبز کھیتوں پر جو ہریالی آتی ہے وہ جنت کی بہار کا منظر پیش کرتی ہے۔ وہ گاؤں کی سادگی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ گاؤں کے کھانے سادہ ہونے کے باوجود بہت لذیذ ہوتے ہیں۔:

سرسوں کا ساگ وہاں پر ہر گھر کا پکوان
مکھن لسی سے کھاتے تھے مفلس کیا دھنوان (۹)

غزل کے موضوعات میں وسعت، انفرادیت اور اس کے مزاج کو بدلنے میں نئے شعراء نے اہم کردار ادا کیا:

"نئے زمانے کی برق رفتاری نے خود اس کی ذات کے اندر ہیجان سا برپا کر کے اسے نئی قدروں کی تلاش پر اُکسایا ہے۔ اب وہ روایت کی سیدھی، پامال شاہراہ پر چلنا اس لیے پسند نہیں کرتا تاکہ زمانے کا نیا روپ، زبان و بیان کے قدرے مختلف سانچوں کا طالب ہے۔"(۱۰)

میر ظفر زیدی کی ابتدائی دور کی غزلوں میں محبوب سے اظہارِ محبت ملتا ہے کہ جب وہ محبوب کو اپنی زندگی کے قریب پاتے ہیں تو ان کے رنج و غم خوشی میں بدل جاتے ہیں۔ وہ محبوب کے حُسن کو کچھ یوں نمایاں کرتے ہیں ان کا محبوب اس قدر حسین ہے کہ جب وہ آتا ہے تو اسے دیکھنے کے لیے لوگوں کا ہجوم میدانِ محشر کی طرح ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک حُسن زندگی کا خوب صورت ترین حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حُسن کے ساتھ پیدا کی ہے۔:

میں ہوں نواب دل کا کم نہیں ہوں میں رئیسوں سے
پڑتا رہتا ہوں میں اکثر بھری حوروں کی محفل میں
مجھے حوروں کی جھرمٹ میں بہت تسکین ملتی ہے
چلا آیا ہوں میں ہمدم حسیں پریوں کی محفل میں (۱۱)

میر ظفر زیدی کی غزلوں میں محبوب کے آنچل کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ یہاں اپنی تمام مصیبت و مشکلات کو بھول کر زندگی کی رعنائی محسوس کرتے ہیں۔ وہ محبوب کے آنچل کی تعریف کرتے ہیں کہ اس کے آنچل کی مہک انہیں مسحور کرتی ہے:

خواہش رہی برسوں تیرے آنچل تلے سوتا
امبر کے حسیں تارے تیرے ٹیکے میں پروتا (۱۲)

عشق و محبت کے ساتھ اپنے عہد سے محبت میر ظفر زیدی کی غزلوں میں نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ وہ نہ صرف اپنے عہد سے محبت رکھتے ہیں بلکہ اسے زندہ بھی رکھنا چاہتے ہیں اس لیے وہ عہدِ ماضی سے جڑے رہتے ہیں۔ ماضی کی حسین یادوں میں اس دور کے لوگوں سے بھی محبت کرتے ہیں کیونکہ ان کا ماضی حسین تھا۔ عہدِ حاضر میں انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس لیے وہ ماضی کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔:

شہر میرا پٹیالہ تھا اور ساتھ میں تھا انبالہ بھی
شہر جو ہم نے چھوڑے ہیں واں اور بدیسی رہتے ہیں (۱۳)

ماضی سے محبت کی ایک بڑی وجہ اسلاف سے محبت بھی ہے۔ میر ظفر زیدی کی شاعری میں اسلاف سے محبت و عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ ان کی نظموں اور غزلوں میں اسلاف کے کارنامے اور ان کی مذہبی و ادبی خدمات کا ذکر نمایاں طور پر پایا جاتا ہے میر ظفر زیدی کو عہدِ حاضر میں بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے اس لیے وہ حال سے منہ موڑ لیتے ہیں اور ماضی کی حسین یادوں میں کھو جاتے ہیں۔ وہ اپنے پرانے قصبے، گلی، محلے اور وہاں کے لوگوں کو یاد کرتے ہیں۔ ان کا دل دوبارہ ماضی کی طرف لوٹ جانے کو کرتا ہے یعنی وہ اپنے گاؤں واپس چلے جائیں مگر پھر سوچتے ہیں کہ اب وہاں نہ گھر رہا ہے، نہ وہ لوگ رہے ہیں جو محبت، خلوص اور اپنائیت کے جذبے سے سرشار تھے۔ ''جواب دو مجھے''، ''اجنبی یادیں''، ''صدائے مکتب'' کا موضوع ماضی سے محبت ہے۔ وہ ان نظموں میں اپنی پرانی گلیوں اور لوگوں کو یاد کرتے ہیں۔:

کنارے آب گھاگھر تھا میرے اسلاف کا مسکن
اُدھر پانی تھا جمنا کا جو پاؤں تیرے چھوتا تھا (۱۴)

’’من وتُو‘‘ نظم میں زمانے کی تلخیوں سے جذبات میں جو تبدیلی پیدا ہوئی اس کا اظہار ملتا ہے۔ معاشرے سے بے اعتنائی دکھائی دیتی ہے۔ وہ معاشرے سے بے زار ہو کر کہتے ہیں کہ لوگ مفاد پرست ہیں کام نکل جائے تو تمام وعدے بھول جاتے ہیں۔ ان کی معاشرے اور معاشرے کے لوگوں پر گہری نظر تھی۔ میر ظفر زیدی اپنی شاعری میں ان رویوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔:

صدی ڈیڑھ میں تین موقعوں پر تو نے
ڈسا تھا مجھے گو میں سمجھا نہیں تھا (۱۵)

اردو شاعری کا پسندیدہ موضوع عشق و محبت رہا ہے۔ شاعر جب اپنے محبوب سے عشق کرتا ہے تو ان تمام کیفیات کا اظہار بھی کرتا ہے۔ کیفیات خوشی کی ہوں یا غم کی اس کا دل دھڑکتا محسوس ہوتا ہے۔ تمام شعراء نے عشق و محبت کو موضوع بنایا ہے۔ شاعر اپنے محبوب سے عشق و محبت کا اظہار بھی کرتے ہیں مگر ان کے محبوب کا رویہ اس کے متبادل نظر آتا ہے۔ میر ظفر زیدی کی شاعری میں محبوب کی بے رُخی ملتی ہے جو ان کو اُداس رکھتی ہے مگر اس بے رُخی کے باوجود عشق و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔:

دریائے تمنّا مری ایک ایک نظر
ہر جذبہ مرے عشق کی انگڑائی ہے
(۱۶)

میر ظفر زیدی کی غزلوں اور نظموں میں یاد کا عنصر نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ ’’اجنبی یادیں‘‘ کے عنوان سے انھوں نے نظم لکھی جو یادوں کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہے جس میں وہ گزرے ہوئے وقت کو یاد کرتے ہیں۔ اُس وقت کے لوگوں اور تہواروں کو یاد کرتے ہوئے اُداسی و تنہائی اور مایوسی کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ کیفیت ان کی ذاتی زندگی کی بدولت ہے۔ ان کے رشتہ داروں کا بُرا رویہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی محرومی کا باعث بنا اور دولت کی محرومی کی وجہ سے زندگی کی تلخیاں مزید بڑھ گئیں۔ ان تمام تلخیوں کی وجہ سے ان کی زندگی میں اُداسی و تنہائی کا بسیرا بڑھ گیا۔:

حاصل مجھے کیا ہوگا اس زہر میں رہنے سے
مایوس ہوں تنہا ہوں ساتھی نہ شناسا ہے (۱۷)

خاموشی کا استعارہ بھی میر ظفر زیدی کی شاعری میں موجود ہے کیونکہ وہ ایک خاموش طبیعت انسان تھے۔ انھوں نے زندگی کی تلخیوں کو صبر ساتھ برداشت کیا مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہی خاموشی میرے مسائل کی وجہ بنی۔ وہ اپنی ناکامی کی بڑی وجہ خاموشی کو قرار دیتے ہیں۔ انھیں اپنی اُداسیوں کے سبب چاروں طرف خاموشی نظر آتی تھی۔:

مری خاموش عادت ہی مری ہے وجۂ ناکامی
عُدو کی سی بھلا میری کہاں تقریر ہے جاناں (۱۸)

میر ظفر زیدی کا فطرت سے لگاؤ، کٹھن حالات اور حُسن پرستی جیسے عناصر نے رومانوی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا اور ان کی شاعری میں رومانویت کا عنصر واضح طور پر سامنے آیا۔ ''سندر سروپ'' کے عنوان سے انھوں نے نظم لکھی جو رومانوی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔ انھوں نے نہ صرف نظموں بلکہ غزلوں میں رومانوی انداز اپنایا۔ ان کے ہاں رومانویت کا جذبہ مختلف انداز میں پایا جاتا ہے۔ وہ محبت کی حسین زندگی سے متاثر ہو کر سُندر لڑکیوں اور محبت کے حسین سفر کو تخلیقی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ میر ظفر زیدی کے ہاں رومانوی انداز جا بجا ملتا ہے۔:

چپکے چپکے نین جھروکوں سے ہم کو وہ دیکھے
جب ہم اس کو پیار سے دیکھیں جانے کیا وہ سمجھے (۱۹)

ہجر و وصال غزل کا نمایاں ترین موضوع رہا ہے اور مختلف شعراء نے اسے مختلف انداز میں برتا ہے۔ میر ظفر زیدی کی شاعری کا اہم موضوع ہجر و وصال ہے مگر انھوں نے اس تصور کو ایک نئی شکل دی ہے۔ وہ محبوب کے رفاقت کے لمحات کو اپنی شاعری کا حصہ نہیں بناتے بلکہ ہجر و وصال کے روایتی تصور کو ردّ کرتے ہیں۔:

جو نہیں ہے تو میرا ہم نوا تو گیا میں عرضِ ملال سے
نہ غرض ہے مجھ کو جہاں سے نہ فراق سے نہ وصال سے (۲۰)

میر ظفر زیدی کے ہاں معاشرتی جبر سے انحراف ملتا ہے۔ وہ معاشرے کے ظلم سے آزاد ہونا چاہتے ہیں
اور معاشرے کے ظلم و ستم پر آواز بھی اُٹھاتے ہیں۔ وہ سیاست دانوں پر بھی تنقید کرتے ہیں اور ان کے بُرے رویے کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔:

اب کے جو احساسِ وفا ہوگا تو کس کو ہوگا
یہ جو آئے ہیں سیاست میں سبھی پیٹ بھرے (۲۱)

غربت و افلاس ایک ایسا سیلاب ہے جو سب خوشیوں کو بہا کر لے جاتا ہے۔ میر ظفر زیدی بھی غربت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے اور اتنے مایوس ہو گئے تھے کہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی اُمید دولت حاصل کرنا بن گئی۔ وہ مفلسی سے جس قدر بیزار نظر آتے ہیں اس قدر مفلسی ان کے پیچھے پڑی ہوئی تھی، انسانی زندگی میں محرومیاں زندگی کا حُسن چھین لیتی ہیں۔

> ''غزل کا فن کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطالب ادا کرنے کا فن ہے۔ نہ صرف یہ کہ غزل کے اشعار میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ تفصیل سے غزل کا مزاج مجروح ہوتا ہے۔''(۲۲)

میر ظفر زیدی ان محرومیوں کو شدت سے محسوس کرتے ہیں اس لیے ان کی شاعری میں درد و رنج کا رنگ بہت گہرا ہے۔ ان کی اپنی ذات درد و غم میں مبتلا تھی اس کا اثر اُن کے کلام پر بھی ہوا۔ اداسی و محرومی ایسی کیفیت ہے جو زندگی کے رنگوں کو ماند کر دیتی ہے۔ انسان زندگی کے کسی رنگ کو محسوس نہیں کر سکتا ہے۔ اسے ہر طرف اُداسی نظر آتی ہے۔ میر ظفر زیدی اُداسی و محرومی کا شکار تھے۔ وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتے مگر انھیں اپنا آپ اکیلا محسوس ہوتا۔ وہ گرد و پیش کا جائزہ لیتے مگر وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے، انھیں تمام لوگ اجنبی لگے۔:

کٹی ہے عمر یہاں کیسے کوئی کیا سمجھ پائے
پڑا ہوں شہر میں ہارے ہوں اجنبی کی طرح (۲۳)

تہوار ہماری تہذیب وثقافت کے عکاس ہوتے ہیں۔ میر ظفر زیدی اسلامی تہذیب وثقافت سے محبت رکھتے تھے اس لیے ان کی شاعری میں اسلامی تہوار کا ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے ''قطعاتِ شوال'' کے عنوان سے قطعات لکھے جس میں عید کی خوشیوں کو بیان کیا ہے۔ چاند رات اور عید ہم مسلمان جس طرح مناتے ہیں اس کی بھرپور منظر کشی ملتی ہے۔ مسلمان اپنے غم بھلا کر ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں، عید کی ان خوشیوں کا اظہار انھوں نے کچھ انداز سے کیا:۔

آپ آگئے ہیں پیشِ نظر بن کے ماہِ عید
شکر خدا کروں کہ ہے یومِ سعید آج
میرے لبوں پہ کتنے ترانے خوشی کے ہیں
یہ آپ کی ہنسی ہے کہ ہستی ہے عید آج (۲۴)

علامت نگاری شاعری کی ایسی خصوصیت ہے جس کا استعمال اُس وقت کیا جاتا ہے جب اپنی رائے کے اظہار کے لیے آزادی نہ ہو۔ شاعری میں علامتی انداز کا استعمال اس کے حُسن کو مزید بڑھا دیتا ہے:۔

''علامت عہدِ حاضر کی شعری اصطلاحوں میں سے ایک مقبول اصطلاح ہے۔ علامت کے عام طور پر یہ معنی لیے جاتے ہیں کہ کوئی شے کردار یا واقعہ جو بطور مجاز اپنے لیے ماورا کسی اور شے کی نمائندگی کرے گی۔ (۲۵)''

تکرارِ لفظی شاعری کی ایسی خوبی ہے جس سے کلام میں نغمگی اور موسیقیت پیدا کی جاتی ہے۔ صنعتِ تکرار کے استعمال سے شعر میں غنائیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے شعر دل پر اثر کرتا ہے۔ میر ظفر زیدی نے بھی صنعتِ تکرار کا استعمال کیا ہے جس سے اُن کے کلام میں موسیقیت پیدا ہو گئی ہے:۔

چھن چھن چھن کنچن برسے جب باجے پازیب
روپ محل میں مایہ پک پر سندر ثریا چلتی (۲۶)

تراکیب کا استعمال کلام میں جدت وندرت کو بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ میر ظفر زیدی نے ایسی تراکیب استعمال کی ہیں جس سے قاری اُکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔ ان کی شاعری کی اہم خصوصیت سادگی وسلاست ہے۔ وہ کلام میں مبہم انداز استعمال نہیں کرتے بلکہ سادگی سے تمام باتیں واضح انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کی شاعری جذبات واحساسات کی بھرپور عکاس ہے۔ میر ظفر زیدی نے اپنے قلم کو منفرد انداز میں برتا ہے اور اپنے جذبات کی ترجمانی نہ صرف شاعرانہ انداز میں کی بلکہ اپنی شاعری میں مختلف موضوعات کو جگہ دی۔ یہ موضوعات حُسن وعشق کی پیروی بھی کرتے نظر آتے ہیں مگر ساتھ ہی زمانے کے تلخ حقائق کو بھی عیاں کرتے ہیں۔ انھوں نے تنہائی، اُداسی اور زندگی کی تمام مشکلات کا حل قلم کے ذریعے نکالا۔ وہ قلم کو ذریعۂ اظہار سمجھتے ہیں کیونکہ انھوں نے جذبات کا اظہار شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔ میر ظفر زیدی کا کلام جدت اور تازگی کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اردو غزل

کے منظر نامے پر ایک پُر گو شاعر کے طور پر سامنے آئے۔ میر ظفر زیدی شاعری کے افق پر ایک چمکدار ستارے کی مانند اُبھرے اور اپنی جداگانہ حیثیت منوائی۔

حوالہ جات

۱۔ میر ناصر علی سیٹھی۔ جغرافیہ ریاست بہاول پور۔ لاہور: حمیدیہ سٹیم پریس، ۱۹۱۵ء۔ ص ۷
۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر۔ شاعری اور شاعری کی تنقید۔ کراچی: اردو دنیا، ۱۹۶۵ء۔ ص ۱۱
۳۔ عبدالستار ہمدانی، علامہ۔ فنِ شاعری اور حسان الہند۔ گجرات: مرکز اہلِ سنت برکات رضا پور، س۔ن۔ ص ۱۷
۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر۔ نظم جدید کی کروٹیں۔ لاہور: سنگت پبلشر، چوتھا ایڈیشن، ۲۰۰۷ء۔ ص ۲۶
۵۔ میر ظفر زیدی۔ آنچلوں کے سائے میں۔ بہاول پور: مکتبہ پولی گن سروسز، ۲۰۰۵ء۔ ص ۱۲۶
۶۔ ایضاً۔ ص ۱۲۷
۷۔ خواجہ اکرام، ڈاکٹر۔ اُردو کی شعری اصناف۔ لاہور: سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، جولائی ۲۰۱۴ء۔ ص ۱۶۳
۸۔ ایضاً۔ ص ۱۷۳
۹۔ میر ظفر زیدی۔ آنچلوں کے سائے میں۔ ص ۱۳۷
۱۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر۔ اُردو شاعری کا مزاج۔ لاہور: مجلسِ ترقی ادب، مئی ۲۰۱۶ء۔ ص ۲۷۰
۱۱۔ میر ظفر زیدی۔ آنچلوں کے سائے میں۔ ص ۲۱۷
۱۲۔ ایضاً۔ ص ۲۲۴
۱۳۔ ایضاً۔ ص ۱۹۶
۱۴۔ ایضاً۔ ۱۷۳
۱۵۔ ایضاً۔ ص ۱۸۰
۱۶۔ ایضاً۔ ص ۲۷۰
۱۷۔ ایضاً۔ ص ۲۱۴
۱۸۔ ایضاً۔ ص ۲۱۰
۱۹۔ ایضاً۔ ۲۵۲
۲۰۔ ایضاً۔ ص 219
۲۱۔ ایضاً۔ ص ۳۵۱
۲۲۔ ممتاز الحق، ڈاکٹر۔ اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۱۹۹۹ء۔ ص ۲۵
۲۳۔ ایضاً۔ ص ۲۷۴
۲۴۔ ایضاً۔ ص ۲۷۲
۲۵۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء۔ ص ۱۲۴
۲۶۔ ایضاً۔ ص ۲۳۴